## فکر و نظر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# ربا سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کا سوالنامہ

## اور اس کا جواب

۱۔ (الف) قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟

تخصیصاً کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دو گنا اور سہ گنا (اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً) کر دیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے؟

(ب) کیا ظہورِ اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیشِ نظر ربا کی نئی تشریح کی جا سکتی ہے؟

۲۔ کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق

(۱) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا

(۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

۳۔ حکومت قومی ضروریات کے لیے جو قرضے جاری کرتی ہے کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟

۴۔ کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری نظام ممکن ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا جواز کن مفروضات پر مبنی ہے؟

۵۔ کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جا سکتا ہے؟

۶۔ کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیرِ نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارہ کو نامعلوم یا غیر تشریح شدہ مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسلام کی رو سے ایسے ادارہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

۷۔ (الف) آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار (AGENT OF PRODUC-TION) قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جا سکتا ہے؟

(ب) اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

۸۔ (الف) کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری کے اخراجات ادا کیے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقے سے چلانا ممکن ہے؟

(ب) اگر مندرجہ بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل حل تجویز کر سکتے ہیں؟

۹۔ کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے؟

۱۰۔ کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لیے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

۱۱۔ (الف) ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اس فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے، کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

(ب) اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی جانب سے کچھ رقم کا اضافہ کرے تو صورتِ حال کیا ہوگی؟

۱۲۔ پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

۱۳۔ کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بنک اکاونٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

۱۴۔ کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟

۱۵۔ اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی نظامِ معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات

استعمال کیے جائیں گے؟

۱۶- جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنے اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات "فرضی شرح سود" (SHADOW INTEREST RATE) سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت (SCARCITY VALUE OF CAPITAL) ظاہر ہوتی ہے۔ کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟

جوابات بالترتیب حسب ذیل ہیں

**تعریف ربا:** قرآن حکیم نے "ربوا" کا لفظ استعمال کر کے "ربا" کی نوعیت متعین کر دی ہے یعنی "زیادتی" —— باقی رہی یہ کہ وہ کون سی زیادتی؟ سو اس سے مراد وہ زیادتی ہے جو "قرض" کے عوض ملتی ہے: قرینہ یہ آیت ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ (بقرۃ - ع ۳۸)

اور اگر وہ تنگ دست ہے تو آسودہ حالی تک اس کے لیے مہلت ہے۔

یہ آیت "ربا" کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہے۔ یعنی زیادتی کی نہ سوچیں، اگر تنگ دست ہے تو مقروض کو مہلت دیں تاکہ وہ ادائیگی کے قابل ہو سکے۔

سورۂ مدثر میں ہے:

لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۞ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (مدثر ع ۱)

زیادہ معاوضہ کی نیت سے مت دیجیے!

اس میں دوسرے صدقات اور نیک تعاون کے ساتھ قرض بھی آ جاتا ہے۔

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (بقرہ ع ۳۸)

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمھارے راس المال تمھارے ہی ہیں۔

راس المال کے ماسوا جو مزید ہے، وہ وہی "زیادتی" ہے جو ربا کی جان ہے۔

حدیث نے اسے یوں بیان کیا ہے:

وما کان لھم فی الناس من دین فلیس علیھم الا راسه (کتاب الاموال لابی عبید)

لغت میں بھی اس کے معنی "الزیادۃ" بیان کیے گئے ہیں۔

الربا فی اللغة عبارة عن الزيادة يقال ربا الشیئ يربو (تفسیر کبیر ص۳۵۱)

صرف قرض پر زیادتی کے معنیٰ "اجل اور مہلت" کے عوض کے ہیں — کیونکہ اس کا دوسرا اور کوئی محرک ہی نہیں ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث کی ان تصریحات کی بنا پر ائمہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے۔

وفی الشرع زيادة یاخذها المقرض من المستقرض مقابل الاجل (تفسیر ایات الاحکام للصابونی ص۳۸۳)

فكانت الزيادة بدلا من الاجل (جصاص ص۵۵۳)

وهو زيادة فی الاجل (بیضاوی ص۱۲۵)

خلاصہ یہ کہ:

قرض پر مشروط اور متعین جو زیادتی اجل (مہلت اور مدت) کے عوض ملتی ہے، اسے "ربا" کہتے ہیں۔

اہل جاہلیت میں بھی ربا کی یہ شکل موجود تھی اس کے ساتھ مزید یہ بھی رواج تھا کہ اگر متعین مدت کے مطابق مقروض یہ قرض مع اضافہ واپس نہ کر سکتا تو شرح اضافہ بڑھا کر مزید مہلت حاصل کر لیتے، اس کو قرآن نے "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ قرآن نے ان کی مزید ایک سنگدلی اور استحصالی ذہنیت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ تیسری شکل تجارتی سود" کی تھی، جیسا کہ غزوۂ بدر کے سلسلہ میں حضرت ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے ذکر میں آتا ہے کہ اس میں سارے قریش نے پیسہ دیا تھا (زرقانی شرح مواہب)

اس کے علاوہ بنو عمرو بن عامر، بنو مغیرہ سے سودی قرض لیتے تھے (ابن جریر عن ابن جریج) ظاہر ہے ان کی یہ شکل تجارتی کمپنیوں جیسی ہو گی — کیونکہ قبیلے کا دوسرے قبیلے سے سودی قرض لینے کا ذکر ہے۔ اور یہ تجارتی ہو سکتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں نہ بیچا کرو مگر برابر سرابر الخ۔

لا تبیعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل ..... ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل الحديث (صحیحین عن ابی سعید)

یہ دراصل ایک بین الاقوامی معاملہ ہے، کیونکہ مختلف سکے حاصل کرنے کے لیے "تبادلہ" کا

کا نظام رائج ہے۔ ایک تو یہ ویسے ہی ناحق کی زیادتی ہے، دوسرا یہ کہ اس سے دوسری قوم کی تذلیل اور تحقیر کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

سود مفرد و مرکب: جیسا کہ ہم نے اوپر کی سطور میں ذکر کیا ہے "اضعافا مضاعفۃ" قید احترازی نہیں ہے اس لیے سود مفرد ہو یا مرکب دونوں ربا ہیں۔ سود مفرد تو بالکل ظاہر ہے، سود مرکب بھی اس کی لونڈی ہے، اجیر ہو یا اور کوئی اس سے متعلق شعبہ، سب اس کے خدام ہیں، اس لیے سود مفرد کی طرح سود مرکب بھی ربا ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آکل الربو وموکلہ وشاھدہ وکاتبہ وھم سواء (رواہ الترمذی ومسلم عن ابن مسعود)

اس کے بعد بعض ان صورتوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو حقیقتاً ربا تو نہیں ہیں لیکن اس کی روح سے مماثلت ضرور رکھتی ہے یا اس کے لیے سازگار فضا پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اردو اور فارسی میں "ربا" کا مترادف "سود" کا لفظ اختیار کیا گیا ہے، جو ربا کے شرعی مفہوم سے صحیح مماثلت کم رکھتا ہے بلکہ نیت خراب ہو تو ربا کو کسی حد تک گوارا کرنے کا موجب بن سکتا ہے یا بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے معنی نفع اور فائدہ کے ہیں ــــ بہر حال ربا کو مخصوص زیادت سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے، نفع اور فائدہ سے نہیں کیونکہ اسلام اس کو نفع تصور ہی نہیں کرتا۔

۱ ربا کی جدید تشریح: اگر جام کہن اور جام نو والی بات ہو یعنی معروف زبان اور محاورں میں سمجھانا منظور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر جدید تشریح سے غرض، شرعی ربا کے مفہوم میں تصرف کرنا یا شرع کو نقصے دینا ہو، جیسا کہ عموماً اس کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں تو غلط ہے بلکہ یہ تحریف ہے۔

سوالات کی تکنیک سے محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل متداول تجارتی سود اور نظام بنکاری میں مروج ربا کے جواز کے لیے کسی چور دروازے کی تلاش کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے مگر محتاط ہو کر اور اسلام کے نام پر ــــ خدا کرے یہ بات نہ ہو۔

۲ دو ریاستوں کے مابین ربا کی گنجائش: دونوں ریاستیں مسلم ہوں یا ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم، ربا کی بنیاد پر دونوں کے مابین کاروبار جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں کوئی

تفریق نہیں کی گئی۔ انسانی خون بہرحال حرام ہے، وہ خون، خون مسلم ہو یا کافر۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ع ۳۸)

حضورؐ کا ارشاد ہے: سونا سونے کے ساتھ اور چاندی چاندی کے ساتھ برابر سرابر دست بدستی دینا چاہیے، جس نے زیادہ کیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا، اس نے ربا کھایا، لینے اور دینے والے دونوں برابر ہیں۔

الذھب بالذھب والفضة بالفضة ...... مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی، الاخذ والمعطی فیہ سواء (مسلم۔ عن ابی سعید الخدری)

یہ بین الاقوامی کاروباری صورت ہے، جس میں مسلم اور غیر مسلم سب ریاستیں آجاتی ہیں، دونوں ملکوں کے مابین تبادلہ کی بنیاد پر سونے چاندی کے سکوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے اسے بھی "ربا" ہی فرمایا ہے اور دونوں کو مجرم گردانا ہے۔ او روہ کسے باشد، دونوں ریاستیں مسلم ہوں یا غیر مسلم یا ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم —— بہرحال دونوں کے مابین "سودی لین دین اور کاروبار" جائز نہیں۔

ہاں غیر ملکی قرضہ یا ملک میں غیر ملکی سرمایہ لگانا "ربا" (معروف معنوں میں "سود") کے بغیر دشوار ضرور ہے، لیکن اس وقت تک جب تک ایک اسلامی ریاست خود "ربا" سے بچنے کے لیے سنجیدہ نہ ہو —— ورنہ ظاہر ہے کہ ہر غیر ملکی قرض کچھ شرائط رکھتا ہے، اگر اسلامی ریاست غیر سودی قرض کے بجائے قرض کی دوسری متبادل اسلامی تجویزیں پیش کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ قبول نہ کی جائیں کیونکہ وہ سب "ربا" سے کہیں زیادہ جامع اور بے ضرر ہیں۔

اگر اسلامی ریاست اپنی پوری کوشش کے باوجود غیر سودی قرض یا سرمایہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی اور نہ اس کے بغیر ملکی تعمیر اور ترقی ممکن رہتی ہے تو پھر:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ پر عمل کر سکتی ہے۔ لیکن بہ حالات موجودہ جبکہ عموماً مسلمان ریاستیں اندرونِ ملک بھی خود "ربا" سے پرہیز نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ ملکی تعمیر و ترقی کے بہانے اسراف بھی کرتی ہیں، ان کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ کہا جائے وہ دوسرے غیر مسلم ملک سے سودی کاروبار کرنے کا حق بھی رکھتی ہیں؟ جن فقہاء نے غیر مسلم ملک سے سودی کاروبار کی اجازت دی ہے یا بعض صورتوں میں "جوابی کارروائی" کی ہے، تو عموماً ان کا تعلق "دار الحرب" سے ہے یا اضطرار سے، لیکن اب یہ دونوں موجود نہیں ہیں، تکلف کی بات الگ ہے۔

۳۔ قومی ضروریات کے لیے قرضے؛ یقیناً۔ بلکہ پوری قوم مجرم بنتی ہے کیونکہ حکومت اور اس کی پوری قوم کا فریضہ اس "منکر" کو مٹانا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں نے اسلامی نظام قرض کا مزہ چکھا ہی نہیں، ورنہ یقیناً وہ اس پر جان چھڑکتے، اسلامی نقطۂ نظر سے "قرض دینا" اگر وہ غیر کاروباری ہے تو وہ فیاضی اور اخروی فلاح کا موجب ہے اگر تجارتی ہے تو بیع مضاربت اور شراکت کے اصول پر مبنی ہے جو متداول سود سے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی نظام "قرض" قانونی سرمایہ داری کی بیخ کنی کا موجب بھی ہے۔ اس کے برعکس ربوی نظام "سرمایہ داری" کو جنم دیتا ہے۔

۴۔ غیر سودی بنکاری: ہمارے نزدیک یہ بات نہ صرف ممکن ہے بلکہ مفید بھی ہے، مثلاً اسلامی نظام شراکت اور مضاربت کچھ ایسے نفع بخش کاروبار ہیں، جن میں فریقین کی عزت اور وقار بھی بحال رہتا ہے اور ان امکانات کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے جن کے ذریعے غیر متوازن معیشت جنم لیتی ہے کہ ایک نان شبینہ کو ترستا ہے اور دوسرا ملک، کا قارون بنتا ہے، لیکن

ع ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی

۵۔ نجی اور سرکاری کا امتیاز: بالکل نہیں۔ بلکہ سرکاری حیثیت میں "سودی" خونخواری زیادہ فتنہ پرور ثابت ہوتی ہے اس لیے نجی سے پہلے سرکاری بنکاری سود کے خاتمہ کی ضرورت ہے کیونکہ ملکی معیشت کا نظام اس سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ الغرض: اسلامی احکام کی رو سے دونوں میں کوئی امتیاز، تفریق اور استثناء نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث نے "مطلق سود" کو حرام کیا ہے، وہ کتنا ہو، کون کرے، کہیں اختیار کیا جائے سب حرام ہیں۔

حَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ع ۳۸)

"الربوا" پر لام تعریف جنس کا ہے۔

لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (سورہ مدثر ع ۱)

زیادہ معاوضہ کی نیت سے مت احسان کیجیے۔

قرض، احسان اور تعاون کی بہترین شکل ہے، بعض روایات میں اسے "صدقہ خیرات" سے بھی افضل کہا گیا ہے۔

الصدقة بعشر امثالها والقرض ثمانية عشر (ابن ماجه)

بعض صحابہ سے مروی ہے:۔

لان اقرض دینا دین ثم یرد ان ثم اقرضهما احب الی من ان اتصدق بهما۔

(مغنی ابن قدامۃ)

اس لیے قرض جو بھی دے، اسے اس سے "زیادہ" کا لالچ نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ شراکت اور مضاربت کی بنیاد پر مل کر کاروبار کرنے کی نیت ہو۔ کیونکہ یہ اب معروف معنوں میں قرض نہیں رہا بلکہ مل کر کام کرنے کی یہ ایک سبیل ہے۔

ع۶ مجہول المالک کی ملکیت ہیں: سوال غیر واضح ہے، مجہول المالک کی ملکیت میں دینے کے تو یہ معنی ہیں کہ: اسے اٹھا کر چوراہے پر ڈال دیا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ کام اس وقت تک تو کوئی نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس عقل سلیم کی دولت محفوظ ہوتی ہے۔

اور اس سے مراد شاملات ہے، تو وہ علی الانفراد نہ سہی متعلقہ گاؤں یا محلے سے متعلق تو وہ ہوتی ہی ہے۔ اگر ایسی صورت ہے تو اسے "رفاہی" شے اور شاملات یا عام پبلک پراپرٹی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بالکل جائز ہے، جیسے سڑکیں، تفریحی باغ، سرکاری مسافر خانے جیسے اسٹیشن سے ملحق وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مشترک سرمایہ ہوتا ہے کہ اس کا کرایہ یا بیع دونوں ممنوع ہوتے ہیں کیونکہ مفادِ عامہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

ملك احد بالاحتجار ملك منعه فضاق علی الناس فان اخذ العوض عنه اغلاه فخرج عن الموضع الذی وضعه الله من تعميم ذوی الحوائج من غير كلفة

(مغنی ص۱۵)

اس تعمیم (مجہول الملک) کی صورت میں بھی یہ ریاست کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے اسے "مجہول الملک" صرف عوام کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ: ان میں سے علی الانفراد کسی کا بھی مالکانہ قبضہ نہیں ہے ــــ جتنا ہے سب کا ہے۔

ع۷ سرمایہ اور اس کی تخلیقات کا معاوضہ: سرمایہ انسان کے صرف اس ساز و سامان کا نام ہے جو دولت کے پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے یا حصولِ آمدنی کا ذریعہ بنتا ہے، وہ ساز و سامان بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش دولت کے لیے معاون ثابت ہوں، جو پیدائش میں مدد نہیں دیتا اقتصادیات میں اسے "سرمایہ" نہیں کہتے۔ ہاں اسے دولت کہہ سکتے ہیں۔ یعنی پیدا آوری کا ذریعہ نہ ہو تو وہ سرمایہ نہیں کہلاتا۔

پیدائش دولت کے لیے جن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک طبقہ کے نزدیک عاملین پیدائش، زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم ہے، لیکن آج کل زیادہ تر زمین اور محنت کو اولین حیثیت اور مؤخرالذکر دو کو ثانوی عاملین قرار دیتے ہیں۔

بہرحال جو بھی ہو، اسلام "سرمایہ" کو عاملِ پیدائش تصوّر کرتا ہے۔ مثلاً

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (فاطر ع)

اور آپ دیکھتے ہیں کہ کشتیاں دریا میں (پانی کو) پھاڑتی چلی جا رہی ہیں تاکہ تم خدا کا فضل ڈھونڈو۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ الآیہ (بقرہ ع)

سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔

يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (۲۰۔ القصص ع)

اے ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں، مضبوط (اور) امانت دار ہونا چاہیے۔

الغرض: عاملین پیدائش اور ان کے استعمال کے معاوضے کا ذکر قرآن و حدیث نے کیا ہے لیکن یہ معاوضہ بہ شکل "ربا" نہیں ہے بلکہ مناسب کرایہ یا شریکِ کاروبار کے طور پر، کل آمدنی میں حصہ دار کی حیثیت سے۔ یہاں پر اختلافی نقطہ صرف یہ ہے کہ سود خوار، سود کو سرمایہ کے استعمال کا عوض گردانتا ہے ہم اسے سرمایہ دار کا استحصال تصور کرتے ہیں اور صحیح "شریکِ کاروبار" کو سمجھتے ہیں جو بقدر آمدنی، آمدنی میں ایک حصہ دار کی طرح حصہ دار ہو گا۔ ایک بھکاری کی طرح "سود" پر اسے ٹرخایا نہیں جایا جائے گا۔

ع۸ سود ادا کیے بغیر ملکی تجارت: (۸۔ب) بالکل ممکن ہے ہاں اخراجات کے لیے اجرت بھی لی جا سکتی ہے مگر شراکت اور مضاربت کی بنیاد پر۔

ع۹ بیمہ: ہمارے نزدیک مروج بیمہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ "ربا اور قمار" جیسی دو قباحتوں پر مشتمل ہے مقررہ میعاد کے اختتام سے پہلے موت واقع ہونے کے امکان کے پیشِ نظر یہ بیمہ "قمار" بھی ہے اقساط کے اختتام پر مع سود بیمہ شدہ رقم وصول کرنے کے اصول کے حساب سے یہ "ربوا" بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے اسلام کا نظامِ میراث بھی بہت غلط متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رقم بیمہ دار کے نامزد کردہ آدمی کو ملتی ہے۔

ہاں مضاربت وغیرہ شرعی نظام شراکت کی بنیاد پر اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ قومی سرمایہ کی تشکیل کے لیے بچت: اس کے لیے دوسرے متبادل طریقے بالکل موجود ہیں، مثلاً اس کو امداد باہمی کے اصول پر ترتیب دیا جائے اور ان کے منافع کا ایک مخصوص حصہ باہمی رضامندی سے اس لیے وقف قرار دیا جائے جس سے حسبِ ضرورت استفادہ کیا جا سکے۔ باقی رہی قسطیں، سو اس سلسلے میں شرکار کو اسی طرح پابند کر دیا جائے کہ وہ استحصالی ہتھکنڈے استعمال نہ کر سکیں یا بے وقت ان کے ہاتھ کھینچ لینے سے نقصان نہ ہو۔ تعاونوا علی البر والتقوی۔

اصل مسئلہ ذہنیت کی تبدیلی کا ہے، لیکن مروجہ بیمے یا سودی امور میں تحریص و ترغیب کے لیے جو طریقِ کار اختیار کیے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے انسان مزید خوں خوار بن جاتا ہے اور درد مند معاون ثابت ہونے کے لیے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ پہلے یہ مسئلہ حل کر لیں تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہے گی، لیکن یہ گر کتاب و سنت کے آستاں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا مگر سرمایہ دار کو یہ راہ پسند نہیں۔

۱۱۔ پراویڈنٹ فنڈ سے سودی قرض: (الف) جی ہاں لیکن اس تفصیل کے ساتھ کہ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ پراویڈنٹ فنڈ ابھی ملازم کی ملک میں نہیں آیا، اس لیے جو کچھ ہے وہ ابھی گورنمنٹ کی ملک ہے۔ اس صورت میں جو سودی قرض لیا جاتا ہے ظاہر ہے وہ سود ہی شمار ہو گا ــــ اب پراویڈنٹ فنڈ جتنا اور جیسا کہ ملے گا جائز رہے گا ــــ جیسا کہ باقی تنخواہوں کی کیفیت ہے کہ سودی خزانہ سے تنخواہ وصول کی جاتی ہے۔ ہاں سودی قرض پر اسے گناہ ضرور ہو گا۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ کم از کم وہ اس سودی رقم کے لینے سے پرہیز کرے جو اس کی طرف منسوب ہے۔

اگر یہ پراویڈنٹ فنڈ ملازم کی ملکیت ہے جیسا کہ وقتاً فوقتاً اس کی تفصیل سے حکومت اسے آگاہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے، ویسے بھی وہ کٹوتی اس کی تنخواہ کا لازمی حصہ ہوتی ہے مگر ملازم کے مفاد کے لیے حکومت اسے پس انداز کر کے محفوظ کر لیتی ہے اور ریٹائرمنٹ پر اس کو یکمشت واپس کر دیتی ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سلسلے میں ملازم کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ فنڈ ملازم کی ملکیت ہے مگر حکومت کے پاس امانت ہے اس لیے اس سے سودی قرض لے کر مع سود جو رقم ملازم واپس کرتا ہے وہ اس کے ہی کھاتے میں جاتی ہے۔ لیکن جب یہ امانت اسے واپس ملتی ہے تو اس اضافہ سمیت ملتی ہے جو اس نے بطور سودی قرض کے ادا کیا تھا۔

اگر "ید" کی تبدیلی سے چیز کی نوعیت بدل جاتی ہے تو اب اس کے معنی ہوں گے کہ ملازم کا جو

پیسہ حکومت کی تحویل میں ہے وہ اپنے اس قبضہ کی بنا پر اسے سودی قرض کے طور پر استعمال کر کے ان کا استحصال کرتی ہے۔ تو وہ اس کی مجرم ہے، ملازم نہیں۔ تاہم اس پر اس نے جو سود ادا کیا ہے، وہ "سودی قرض" کے اعتراف کے ساتھ کیا ہے۔ اس لیے مقامِ عزیمت یہ ہے کہ وہ اس سے بھی پرہیز کرے۔ چونکہ دینے والا بھی ربا کے تصور کے ساتھ دیتا ہے اور لینے والا بھی اسی احساس کے ساتھ لیتا ہے، تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ اسے "ربا" نہ کہیں۔ اس کے علاوہ "سد الذریعۃ" کے اصول کے مطابق اسے ربا ہی کہا جائے تو بہتر رہے گا کیونکہ اگر یہ اصطلاحی ربا نہیں ہے تو کم از کم، ربا کو گوارا بنانے والا ایک مفسدہ اور فتنہ تو ضرور ہے۔ اس لیے ایسی بات نہ کی جائے جس وجہ سے یہ ربا ان کے لیے اجنبی شے نہ رہے۔

کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه (بخاری)

ہاں اگر اپنے ملازم سے حکومت کو ہمدردی ہے تو شراکت اور مضاربت کی بنا پر اس کی رقم کو استعمال کر کے اس کا نفع اس کے حوالے کرے۔ تمام مخمصوں سے نکلنے کی یہ ایک بے ضرر سبیل ہے۔

(ب) اس کی حیثیت امانت کی ہوگی، جیسے بنک میں ہوتی ہے۔

ع ۱۲ پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ کے منافع: یقیناً یہ بھی ربا ہیں۔ کیونکہ یہ سبھی کچھ سودی قرضوں کا اندوختہ ہوتا ہے جو اس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ع ۱۳ سیونگ بنک اکاؤنٹ کا نفع: انعامی بانڈوں والی رقم بھی سودی منافع کا حاصل ہوتا ہے۔ سود کے علاوہ قمار بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اصل انعام کے لیے قرعہ ڈالا جاتا ہے۔ رہا سیونگ بنک اکاؤنٹ کا منافع سو وہ بھی ربا ہی ہے۔ کہتے ہیں ایک بنک میں سیونگ انعام کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔ گویا کہ اب اس کے ساتھ قمار کی صورت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے یہ بھی "ربا و قمار" کی ایک شکل بن گئی ہے۔

ع ۱۴ تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز: ہمارے نزدیک ان میں کوئی امتیاز نہیں جیسے غیر تجارتی قرضوں پر سود حرام ہے ویسے ہی تجارتی قرضوں پر بھی حرام ہے۔ کما مرانفا۔

ع ۱۵ بچت پر ابھارنے والے محرکات: اس کے لیے جواب ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ: لوگوں کو اسلامی نظام معیشت میں بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے "وجہ کشش" معقول آمدنی کی توقع ہے، شراکت اور مضاربت کی بنیاد پر جو سرمایہ مہیا کیا جائے گا اس کا نفع اس شرح سود سے کہیں زیادہ

ہوگا جو سودی نظام کے داعی مہیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سرمایہ مہیا کرنے والوں کے لیے یہ باوقار سلسلہ بھی ہے کہ: وہ اس عظیم کاروبار میں شریک بھی ہیں۔ یہ وہ نفسیاتی اقدار ہیں جو اپنے اندر بجائے خود بڑی کشش رکھتی ہیں۔ ایک دفعہ اس کا تجربہ تو کر دیکھیے۔

ع۱۶ سود کے معنی شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں: یہ سوال انتہائی مبہم ہے، تاہم اتنی بات واضح ہے کہ:

"فرضی شرح سود" سے کام لینا، واقعتہً سود ادا کیا جائے یا نہ، حکمتِ عملی کے طور پر اسے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی — کیونکہ اس میں "سود" کے امکان کی نفی نہیں کی گئی۔ ہمارے نزدیک یہ حکمتِ عملی نہیں بلکہ اس کے منافی بات ہے، اس لیے شریعت نے ان صورتوں کی بھی ممانعت کر دی ہے، جن میں "ربا" کا احتمال ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

## مسئلہ کا اصولی حل

یہ جواب خالص معاشی سان پر رکھ کر حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اس موضوع کا ایک فنی پہلو ہے۔ اس کا ایک معنوی پہلو بھی ہے اور اس باب میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ:

۱۔ پہلے اپنی منزل، مقصد اور جہت کا تعین کر لیا جائے کیونکہ اس کے بعد اس سلسلے کی دشواریوں کا دور کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہماری حیثیت عبدِ مسلم کی ہے، دنیا ایک عبوری منزل یا سفر ہے یہاں ڈیرے ڈالنا نہیں، سفر جاری رکھنا ہے اس لیے اپنی اس معاشی اور اقتصادی دنیا کو یوں ترتیب دیا جائے کہ اس مسافر کا سفر بوجھل نہ ہو جائے اور اس میں وہ یوں کھو کر نہ رہ جائے کہ خدا کا بھی ہوش نہ رہے۔ یا بندگانِ خدا کے سلسلے میں "سنگدلی" کروٹ لینے لگ جائے بلکہ چاہیے کہ وہ کم از کم استحصال کے خرابوں میں چور رہنے سے تو محفوظ ہو جائے۔

اکلِ حلال اور زکر مآل دونوں کو سامنے رکھ کر اگر کوئی شخص چلنے کی کوشش کرے گا تو بہر حال وہ حصولِ دنیا کے لیے اندھا ہونے سے بچ جائے گا اور اس میں مستغرق رہنے کے بجائے خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے روحانی سرمایہ اور زادِ راہ کی بھی ضرور فکر کر پائے گا۔ ان شاء اللہ۔

دوم یہ کہ: قرآنی نقطۂ نظر یہ ہے کہ: دولت گردش میں رہے، کسی ایک کے پاس سمٹ کر نہ رہ جائے۔ سودی کاروبار دراصل اس روح کے منافی ایک یہودی سازش ہے۔ اگر شراکت اور مضاربت کو ملحوظ رکھا جائے تو ملکی معیشت غیر متوازن بالکل نہ ہونے پائے کہ ایک کروڑ پتی ہو جائے، دوسرا نانِ جویں کو بھی ترستا رہے، کیونکہ شراکت اور مضاربت کی وجہ سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ: کوئی امیر سے امیر تر بھی ہو جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ ملک میں کوئی بھوکا اور اقتصادی طور پر ناتواں بھی نظر آئے۔ (عزیز زبیدی)